بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضعیف روایات پر عمل کا حکم

ترجمہ :۔ مولانا محمد ادریس السلفی

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ...... من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (متفق علیہ) وقال صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکذابین (مسلم)

راوی اسلام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے پس اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ آپ نے فرمایا جو کوئی مجھ سے ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس کے بارہ میں خیال یہ ہے کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ (راوی) بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

ایک مسلمان جب اس جیسی روایات سنتا ہے تو اس ڈر سے کانپ جاتا ہے کہ کہیں وہ اس قسم کے لوگوں میں سے تو نہیں یعنی آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا یا جھوٹی روایات کو نقل کرنے والا۔

رسول اللہ ﷺ پر عمداً جھوٹ بولنا تو ایک مومن کے لئے قطعاً ممکن نہیں ہے لیکن صد افسوس کہ آپ کی طرف منسوب جھوٹی روایات کے ناقل بے شمار ہیں۔ مزید برآں اس میں مبتلا ابتدائی طلباء یا عامی لوگ نہیں۔ بلکہ شاذ و نادر ہی کوئی عالم، واعظ یا ادیب ملے گا۔ جو اپنے مسائل علمیہ، مواعظ حسنہ یا مضامین میں موضوع یا ضعیف روایات ان کا درجہ بیان کئے بغیر ذکر نہ کرتا ہو۔ اور پھر جسارت ایسی کہ بلا تردد قال رسول اللہ ﷺ کے الفاظ

استعمال کرتے ہیں اور آپ سے مروی ہے آپ کی طرف یہ بات منسوب ہے جیسے کلمات جو نسبت الی القائل میں بہت واضح نہ ہوں۔ قطعا بولتے نہیں ہیں یہ اکثر علماء اور خاص طور پر متاخرین میں عمومی کمی اور نقص موجود ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوا؟

حدیث کی سند میں بحث و تمحیص کے بارہ میں سستی وکاہلی کی بنا پر. اور بسا اوقات مذاہب کا تعصب بھی اس کا سبب بناہے۔ جیسا کہ متقدمین نے مذہب کی تائید میں ایک روایت کو ذکر کر دیا ہے۔ (جو ضعیف ہے) تو متاخرین نے بجائے اس کے کہ حدیث کے بارہ میں صحت ضعف کے متعلق تتبع کریں مکھی پر مکھی مارتے ہوئے ضعیف حدیث کو اصل قرار دیکر مسائل فقھیہ اور استنباطات کا انبار لگادیتے ہیں۔ اور اگر حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف توجہ مبذول کرائی جائے تو کہتے ہیں "یہ تو فضائل اعمال سے ہے جن میں ضعیف بھی قابل قبول ہوتی ہے" اور علماء کے اقوال کو زیر بحث لانے اور ان کی تحریروں کے مدلولات و مفاہیم پر مغز ماری کرنے کی بجائے بعض آئمہ کے اقوال بطور دلیل پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں مثلاً، امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمٰن بن مھدی رحمھم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کلام " اذا جاء الحلال والحرام شددنا فی الاسانید واذا جاء الترغیب والترهیب تساہلنا فی الاسانید "

ترجمہ :۔ جب حلال حرام کی بات ہو تو ہم اسانید میں سختی برتتے ہیں اور جب ترغیب اور ترھیب کا معاملہ ہو تو ہم نرمی سے کام لیتے ہیں۔

آئمہ فن کا یہ فرمان بجا، اپنے مقام پر بالکل درست ہے لیکن یہاں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر کون سے کلمات دلالت کرتے ہیں اور پہلے یہ تو دیکھنا چاہئے کہ اہل فن کے نزدیک ضعیف کیا ہے اور تساہل سے مراد وہ کیا لیتے ہیں۔

اس جیسے اقوال کا اصل مفہوم ومدعا علماء حدیث کی زبانی سنتے ہیں کیونکہ مثل مشہور ہے۔

" صاحب البیت ادری بمافیہ "

گھر میں کیا ہے یہ گھر والا ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ قول احمد اذا جاء الحلال والحرام شددنا فی الاسانید واذا جاء الترغیب والترھیب تساھلنا فی الاسانیدو کذلک ما علیہ العلماء بالعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لیس معناہ اثبات الاستحباب الحدیث الذی لایحتج بہ فان الاستحباب حکم شرعی فلایثبت الا بدلیل شرعی ومن اخبر عن اللہ عزوجل انہ یحب عملا من الاعمال من غیر دلیل شرعی فقد شرع من الدین مالم یاذن بہ اللہ کمالو اثبت الایجاب او التحریم (فتاوی ۱۸\۶۵)

یعنی امام احمد کا یہ کہنا کہ جب حلال و حرام کی بات آتی ہے تو ہم اسانید میں شدت سے کام لیتے ہیں اور جب ترغیب وترھیب کا معاملہ ہو تو ہم تساہل برتتے ہیں اور ایسے ہی جن علماء کا یہ نظریہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف روایت پر بھی عمل ہو سکتا ہے اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ناقابل حجت حدیث سے استحباب کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبردے کہ وہ کسی عمل کو پسند فرماتا ہے اور وہ یہ بات بغیر شرعی دلیل کے کہے تو ایسا ہو گا گویا اس نے دین میں ایسے امور کو مشروع قرار دیا ہے جس کی اجازت رب العزت نے نہیں دی اور بعینہ اسی طرح جیساکہ کوئی (ضعیف سے) حرام یا واجب کو ثابت کرے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

۔لیس المراد بالضعیف عند احمد الباطل ولا المنکر ولا مافی روایتہ متھم لایسوغ الذھاب الیہ والعمل بہ بل الحدیث الضعیف عندہ قسم من الصحیح و قسم من اقسام الحسن ولم یکن یقسم الحدیث الی صحیح وحسن وضعیف بل الی صحیح وضعیف و للضعیف عندہ مراتب (اعلام الموقعین ۱\۳۱)

امام احمد کے نزدیک ضعیف سے مراد باطل اور منکر روایات نہیں۔ اور نہ ہی ایسی

روایت مراد ہے جس میں کوئی متہم راوی موجود ہو جس کی روایت کو لینا یا اسپر عمل کرنا درست نہ ہو۔ بلکہ امام احمد کے نزدیک ضعیف روایت صحیح ہی کی ایک قسم ہے جو حسن کی اقسام میں سے ایک ہے اور اس وقت حدیث کی تقسیم صحیح حسن اور ضعیف کی طرف نہ تھی صرف صحیح اور ضعیف دو ہی اقسام تھیں اور امام احمد کے نزدیک ضعیف کے کئی مراتب ہیں۔

مذکورہ عبارت پر عجاج رقمطراز ہیں کہ امام احمد کے بعد میں آنے والی حسن کی قسم ایسی ہے جس میں امام احمد کی بیان کردہ ضعیف احادیث بھی شامل ہو سکتی ہیں۔

امام ابن تیمیۃ منہاج السنتہ النبویہ میں فرماتے ہیں ہمارا یہ کہنا کہ ضعیف روایت آراء سے بہتر ہے وہاں ضعیف سے مراد ضعیف متروک نہیں بلکہ حسن مراد ہے مثلاً عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور ابراہیم الہجری جیسے رواۃ کی احادیث، جن رواۃ کی احادیث کو امام ترمذی حسن یا صحیح قرار دیتے ہیں جبکہ امام ترمذی سے قبل اصطلاح حدیث میں دو ہی اقسام تھیں صحیح یا ضعیف اور ضعیف بھی دو قسم پر ہے ضعیف متروک اور ضعیف غیر متروک ائمہ حدیث اسی اصطلاح کو استعمال کرتے تھے حتی کہ امام ترمذی کی اصطلاح سے ناواقف نے جب بعض ائمہ کی یہ عبارت دیکھی کہ "الضعیف احب الی من لقیاس" تو اپنی علمی کم مائیگی قصارت اطلاع اور ائمہ فن کی اصطلاحات سے ناواقفی کی بنا پر یہ خیال کر لیا کہ شاید اس ضعیف سے مراد وہی ضعیف ہے جسے امام ترمذی جیسے ائمہ ضعیف کہتے ہیں۔

شیخ احمد شاکر اختصار علوم الحدیث لابن کثیر صہ ۹۲ پر اپنی تعلیق میں ذکر کرتے ہیں کہ امام ابو داؤد اور امام احمد ضعیف روایت کو قیاس اور آراء پر مقدم جانتے تھے لیکن "وحمل بعضهم هذا على انه اريد بالضعيف هنا الحديث الحسن" کیونکہ صحیح اور حسن کی اصطلاح اکثر متقدین کے ہاں رائج نہ تھی بلکہ اکثر متقدمین حدیث کو صحیح اور ضعیف دو ہی اقسام میں تقسیم کرتے تھے۔

ڈاکٹر صبحی الصالح اپنی کتاب علوم الحدیث و مصطلحہ صہ ۲۱۰ پر رقمطراز ہیں لوگ اکثر و بیشتر یہ عبارت پیش کرتے ہیں کہ "یجوز العمل بالضعیف فی فضائل الا

عمال " اور اسے سہارا بنا کر ہروہ روایت (داخل کر لیتے ہیں) جس میں تساہل برتتے ہیں اور صحت کے درجہ تک نہیں پہنچ پاتی اور دین میں بے شمار ایسی تعلیمات داخل کر دیتے ہیں جس کا کوئی معروف و مستند اصل موجود نہیں حالانکہ یہ عبارت اسی عبارت کی بازگشت ہے جو ائمہ ثلاثہ احمد بن حنبل، عبدالرحمٰن بن مھدی اور عبداللہ بن مبارک رحمھم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ (اذا روینافی الحلال والحرام شددنا واذا روینافی الفضائل ونحوھا تساھلنا)

ڈاکٹر صاحب مزید یہ لکھتے ہیں کہ ان ائمہ کی عبارت کا صحیح مفہوم نہیں لیا گیا کیونکہ ان کے نزدیک شدت برتنے سے مراد کسی کے بالمقابل نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں صحیح بمقابل ضعیف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جب حلال و حرام کے متعلق روایت لیتے تھے تو اس میں شدت سے کام لیتے اور حدیث کی بلند پایہ قسم ہی کو قابل حجت تسلیم کرتے اور وہ ایسی روایات تھیں جن کو اس زمانہ میں بالاتفاق صحیح کا نام دیا جاتا تھا اور جب فضائل وغیرہ میں روایات لیتے جن میں کسی چیز کے حلال و حرام کا احتمال نہ ہوتا تو سابقہ شدت کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور صحیح کے ساتھ ساتھ اس سے کم درجہ بعض حسن کو بھی لے لیتے جس کا نام اس زمانہ میں اصطلاحا غیر مستعمل تھا بلکہ وہ اس (حسن) کو ضعیف کی ہی قسم شمار کرتے تھے۔ اور متاخرین کے نزدیک جس کا نام ضعیف قرار دیا گیا ہے ان ائمہ کے وقت ضعیف سے موسوم روایت اس سے بدرجہا اعلیٰ و برتر تھی ہاں تو اگر یہ بات ذہن نشین ہو جاتی کہ ان ائمہ کا فضائل میں تساہل سے مراد حسن ہے جو صحت کے درجہ تک نہیں پہنچ پائی تو یہ لوگ قطعا فضائل میں ضعیف سے حجت لینے کے لئے ان آئمہ کی عبارت نقل نہ کرتے۔

.... جاری ہے ....